اسلامی فلاحی ریاست میں "مکالمہ بین المذاہب" کی ضرورت واہمیت اور عصری تقاضے

The need and importance of “ Interfaith dialogue “ in the Islamic welfare state and modern requirements

1. Dr.Syed Attaullah Bukhari	2. Dr. Fayyaz Ahmad Channa
Lecturer Cadet College Ghotki, Sindh	Lecturer Department of Comparative Religion and Islamic Studies University of Sindh.
Email : syedatta4@gmail.com	**Email**: fayyaz.channa@usindh.edu.pk

To cite this article:

Dr. Syed Attaullah Bukhari , Dr.Fayyaz Ahmed Channa . **(2020). urdu**

اسلامی فلاحی ریاست میں " مکالمہ بین المذاہب'' کی ضرورت و اہمیت اور عصری تقاضے

The need and importance of “ Interfaith dialogue “ in the Islamic welfare state and modern requirements

Albahis: Journal of Islamic Sciences Research, *1*(2), 1–13. Retrieved from https://brjisr.com/index.php/brjisr/article/view/14

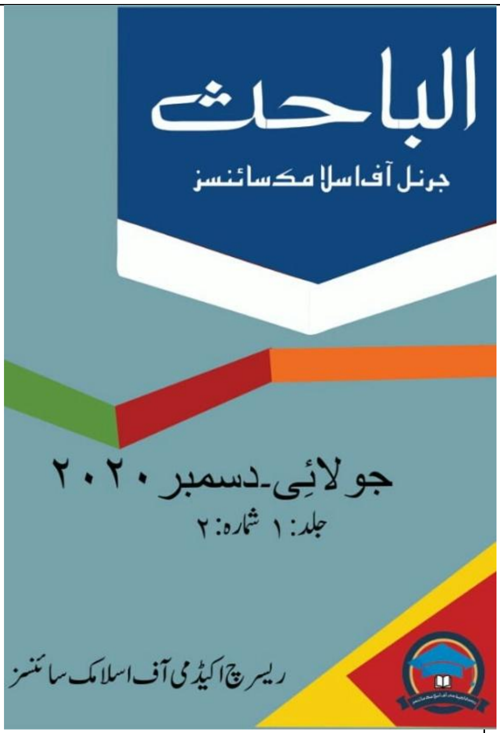

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)

OPEN ACCESS

اسلامی فلاحی ریاست میں " مکالمہ بین المذاہب‘‘ کی ضرورت و اہمیت اورعصری تقاضے

The need and importance of " Interfaith dialogue " in the Islamic welfare state and modern requirements

Abstract

We are well aware that the times will change the values of the times have changed . Undoubtedly the strategy of the Holy Prophet is the beacon for the essence of the life of Holy Prophet (peace be upon him)can not be perfect until every corner of life is illuminated by the rays of the sun of the Holy Prophet (peace be upon him). When love is perfect , it will be easier to follow all the steps .Because by exploring and seeking light from the biography of the Prophet (peace be upon him) , we know that life in this world and hereafter is undeniable and definite . In the biography of Prophet (P.B.U.H) we can see a role model of even minute problems of our life like how the judges , the best friends , the most compassionate fathers , the most perfect rulers , the greatest diplomats , our leaders and we the defeated goes on every front must function . The Prophet (peace be upon him) preaching and his strategy could have been more faithful and successful today .

Keywords : Islamic Welfare state **,** International affairs , Relations , Modern age, Islamic teachings .

کلیدی الفاظ : اسلامی فلاحی ریاست ، بین الاقوامی معاملات ، تعلقات ، جدید دوُر ، اسلامی تعلیمات

تعارف

ہمیں اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے، زمانے کی اقدار بدل گئی ہیں۔ بلا شبہ نبی پاک ﷺ کی حکمت عملی ہی ہمارے لیے چراغ راہ ہے۔ جب تک زندگی کا ہر گوشہ آفتابِ رسالت کی کرنوں سے منور نہ ہو جائے اُس وقت تک ذات وباتِ رسالت ﷺ سے محبت کامل نہیں ہو سکتی۔ جب محبت کامل ہو جائے گی تو تمام سیرت پر عمل آسان ہو جائے گا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے آقائے دو عالم دنیا کے سب سے بڑے جرنیل، سب سے بڑے منصف، بہترین دوست، شفیق باپ، کامل ترین حکمران، سب سے بڑے سفارتکار ہمارے راہبر ہوں اور ہم دنیا کے ہر محاذ پر شکست خوردہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پیغامِ دعوت و تبلیغ اور آپ کی حکمت عملی کی آج اس سے بڑی کامیابی و کامرانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسیحی دنیا کے مذہبی پیشوا منٹگمری واٹ (M.Watt) نے مسیحیت کا عقیدہ تثلیث جو سرتاسر فلسفہ ومنطق کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے کو آزاد کروانے کے لیے مسلمانوں کے عقیدۂ توحید جو روزِ روشن کی طرح واضح اور نکھرا ہوا ہے، سے اخذ و استفادہ میں مدد چاہی ہے۔ چنانچہ واٹ اپنے انٹرویو میں، ایک سوال کہ اسلام مسیحت کو کیا سکھا سکتا ہے کے جواب میں، کہتا ہے:

"Speaking personally, it has taught me to think more deeply about the Oneness of God. I am not happy with the traditional Trinitarian Christian formulation of God comprising three "Person"-Father, Son and Holy Spirit. The word "Person" has changed since it was first used in English four centuries ago. It was a translation of Latin persona-a face or mask, such as that used by actors. Now the English word means an individual, which is different. Christianity is not trying to say that God comprises three individuals. Islam, with its many different names for the qualities of God, can help the Christian see a more true meaning of Trinitarian doctrine[1]".

واٹ کے درجہ بالا اقرار سے نبی اکرم ﷺ کی عالمگیر حیثیت بھی واضح ہو رہی ہے کہ نبی اکرم ؐ کا پیغامِ توحید کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے تھا۔

دور جدید کے قانونی حلقوں میں یہ تصور عام ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کے قواعد و ضوابط کی تشکیل و تدوین یورپ کا کارنامہ ہے، مشہور آسٹریلوی محقق، قانون دان، ڈی ڈبلیو گریگ (D.W.Greig) کے خیال میں یورپی جاگیرداری نظام کے بعد جب قومی سطح پر طاقت کے تصور نے زور پکڑا تو اس کے بعد بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت پیش آئی، البتہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ نپولین کی جنگوں کے بعد سب سے پہلے جو باقاعدہ ضابطہ تشکیل دیا گیا وہ 1815ء میں میثاق ویانا تھا، یہ ایک ابتداء تھی اس کے بعد یورپی ممالک کے درمیان معاہدات کا تسلسل سے جاری رہے، یہاں تک کہ 1925ء اور 1949ء میں جینوا کے معاہدے سامنے آئے، مگر حقیقت یہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین سرکار دوجہاں ﷺ نے اپنے دور کی دیگر اقوام کے ساتھ جو تعلقات کا جاری فرمایا وہ آج تک دنیا بھر کے لئے مشعل راہ ہے، آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی ریاست کا قیام فرما کر اس آفاقی پیغام کو عالمی سطح پر پوری انسانیت تک پہنچانے کا بندوبست کیا، یہ ساری چیزیں آپ

---

[1] www.alastairm/cintosh.com/articles/2000-watt.html- 4-cached-cimilar pages interviewed by Alastair Mclntosh and Bashir Mann. This paper was published in The Coracle, the lona Community, summer 2000, issue 3:51(۔

ﷺ کی خارجہ پالیسیوں اور ان کی سفارتی خطوط اور مکالمات بین المذاہب سے عیاں ہے جو آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے ابتدائی دنوں میں اطراف عالم کے حکمرانون اور سلاطین کو ارسال کئے تھے، ریاست کی تشکیل کی بعد آپ ﷺ نے ہر طرح کے مذہب اور ہر طرح کے قبائل کے لوگوں سے مثبت تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی۔ نبی اکرم حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس پر صعوبت سفر ہجرت کا مقصد صرف مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے نجات حاصل کرنا ہی نہ تھا بلکہ ایک پُرامن علاقے میں ایک نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل و تاسیس کرنا بھی تھا-آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں تین طرح اقوام سے واسطہ پڑا-

(1) آپ ﷺ کے پاکباز صحابہ کرامؓ- (2) مدینہ کے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین-(3) یہود—

ان میں سے ہر ایک کے حالات ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ تھے-جہاں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے اندر مسلمان مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کے ذریعے زبردست بھائی چارہ کروایا اور اسلامی مرکز کو قوت فراہم کی وہیں بیرونی قبائل کے ساتھ بھی تعلقات استوار کئے اور معاہدوں کی ذریعے نوزائیدہ اسلامی ریاست (مدینہ منورہ) کے دفاع کو مضبوط فرمایا اس ضمن میں آپ ﷺ کے سیاسی فیصلے،آپ ﷺ کی نبوی بصیرت پر بین ثبوت ہیں-آپ ﷺ نے قلیل عرصہ میں ریاست مدینہ کے اندر اور باہر جملہ مسائل کا بہترین حل پیش کیا کیونکہ آپ ﷺ کے فہیمانہ فیصلوں کو تائید ربّانی حاصل تھی- یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے مکالمات کی بدولت اسلام دور دور تک پھیلا جو آج تک ہر طرح کی ریاست کے لئے مشعل راہ ہیں۔

فلاحی ریاست کا معنی و مفہوم

ابن منظور افریقی ' ' فلح '' کے متعلق فرماتے ہیں: '' الفلح، ولفلاح، الفوز، والنجاۃ، والبقاء فی النعیم والخیر '' [2]

فلاح سحری کا کھانا، چھٹکارا، فتح مندی، زندگی اور خیر کی بقاہے۔

لہذا لفظ '' فلاحی '' فلاح سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم '' کامیابی و کامرانی '' ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

'' قد افلح من تزکیٰ[3] '' ترجمہ: اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔

اور ایک مقام پر فرمایا

'' قد افلح المومنون[4] '' ترجمہ: یقینا ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔

اَلفَلَح کے لغوی معنی ہیں: چیرنا، اور پھاڑنا، کاشتکار کو بھی اسی لیے فَلّاح کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے، کامیاب کو بھی اسی وجہ سے مُفْلِح کہا جاتا ہے کیونکہ وہ صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے، یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔

تفسیر القرآن حافظ عبد السلام بھٹوی لفظ '' فلاح '' کے متعلق فرماتے ہیں

[2]۔لسان العرب، بہ ذیل مادہ فلح

[3]۔الاعلیٰ: 14

[4]۔المومنون: 1

اَفۡلَحَ: ’’اَلۡفَلَحُ ‘‘ لام کے فتحہ کے ساتھ اور ’’ اَلۡفَلَاحُ ‘‘کا معنی بھلائی کے کام میں کامیابی ہے اور ’’اَلۡفَلۡحُ ‘‘لام کے سکون کے ساتھ ’’پھاڑنا۔ ‘‘ دونوں باب ’’مَنَعَ ‘‘سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ’’اَلۡحَدِیۡدُ بِالۡحَدِیۡدِ یُفۡلَحُ‘‘ لوہا، لوہے کے ساتھ کاٹا جاتا ہے۔ ’’کسان کو اسی لیے ’’اَلۡفَلَّاحُ ‘‘کہتے ہیں کہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے۔ گویا فلاح وہ کامیابی ہے جو محنت و مشقت کے نتیجے میں حاصل ہو۔ کامیابی دنیا کی بھی ہے اور آخرت کی بھی‘‘[5]۔

فلاحی ریاست کا مفہوم

محمد اکرم چوہدری(کالم نگار) فلاحی ریاست کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’فلاحی ریاست سے مراد ریاست کا وہ تصور جس میں ایک ریاست تمام شہریوں کو تحفظ اور شہریوں کی بہتری کے لیے ذمہ داری لیتی ہے۔ ایک فلاحی ریاست اپنے شہریوں کے جانی ومالی تحفظ کو اولین ترجیح قرار دیتی ہے اور اس کے لیے ٹھوس اقدامات کرتی ہے۔ پرانے زمانے میں ریاستیں صرف حکمرانوں کے مفاد تک محدود ہوا کرتی تھیں، آہستہ آہستہ ایسے روشن خیال انسان پیدا ہوئے جنھوں نے ریاست میں نئے تصورات پیش کیے جس سے انسانی زندگی میں بہتری آئی۔ انہوں نے ریاست کے نظام کو از سر نو ترتیب دیا اور لوگوں کے حقوق اور ریاست کے حقوق دونوں وضع کیے۔ انسان میں جمہوریت کی سوچ بڑھی اور ریاستی نظام میں بہتری آئی۔ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے ریاست کے نظام میں ایک اور نیا تصور پیش کیا گیا جسے فلاحی ریاست کہا جاتا ہے‘‘ [6]۔

آصف جاوید(کالم نگار) فلاحی ریاست کے متعلق کہتے ہیں:

’’فلاحی ریاست، ایسی مملکت کو کہا جاتا ہے، جس میں شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق اور اُن کی سماجی ترقّی، معاشی خوش حالی، اور زندگی گزارنے کے لئے بنیادی سہولیات کی فراہمی ریاست کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔ فلاحی ریاست کا ڈھانچہ، ایسے جمہوری اصولوں پر استوار کیا جاتا ہے، جن میں اس امر کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ ریاست کا کوئی بھی شہری بنیادی انسانی حقوق، اور شہری آزادیوں سے محروم نہ رہے، اور ہر شہری کو زندگی کی بنیادی سہولیات بلاامتیاز میسّر ہوں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں ’’ فلاحی ریاست(Welfare State)‘‘ کا مفہوم کچھ اس طرح تحریر ہے:

“Satisfactory State , Health and prosperity wellbeing. State, in having national health, insurance and other social services work, efforts to make life worth living for employees etc.[7]”

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلاحی ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں پینے کے صاف پانی کی فراہمی، روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، صحت، روزگار، پبلک ٹرانسپورٹ، سینی ٹیشن، سیوریج، اسکول، کالجز، یونیورسٹیز، فنّی تعلیم اور ٹیکنیکی تربیت کے ادارے، مراکز صحت، ہسپتال، دوائیں، چائلڈ کیئر، بیروزگاری الائونس، معذوری الائونس، سوشل سیکیورٹی، اولڈ ایج بینیفٹ، ریٹائرڈمنٹ پنشن، وغیرہ شامل ہیں۔ فلاحی ریاست کا بنیادی اصول ہر شہری کو بلاامتیاز مذہب، عقیدہ، زبان، لسّانیت، قومیت، رنگ و نسل مساوی شہری حقوق اور انصاف کی فراہمی ہے۔

---

[5] ۔عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، جلد4، دارالاندلس، ص 3

[6] ۔محمد اکرم، نوائے وقت اخبار، 12-9-2018

[7] (Oxford Dictionary P-1457)

فلاحی ریاست میں" مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت واہمیت"

لفظ"مکالمہ" لغوی معنی ومفہوم

لفظ" مکالمہ" عربی لغت میں باب مفاعلہ کے وزن پر ہے جس کے معنی ہیں، باہمی گفتگو، مباحثہ کرنا، سوال وجواب کرنا سب اسی کے معنی میں شمار کئے جاتے ہیں، لفظ مکالمہ یوں تو عربی زبان کا لفظ ہے لیکن اس لفظ کی جگہ عربی میں" حوار" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب کلام کو دوسروں پر لوٹانا ہے، عربی کی مشہور لغت کی کتاب" تاج العروس" محمد مرتضٰی زبیدی تحریر کرتے ہیں

" اصل الحوار من الحور، وهو الرجوع عن الشئی الی الشئی، معنی الحوار فی اللغة: تراجع الكلام" [8]

حوار اصل میں حور سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کا کسی چیز کی طرف لوٹانا، حوار کا مفہوم ہوگا کلام کا ایک دوسرے کی طرف لوٹانا پایا جاتا ہے۔

انگریزی میں لفظ مکالمہ کے لئے" Dialogue" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ Chamber twienth Century Dictionary میں لفظ مکالمہ کے مفہوم کی وضاحت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

" دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان کوئی خاص یا تخیلاتی قسم کی گفتگو ہوتی ہے جس میں باہمی تبادلہ خیال کسی نتیجے پر پہنچنے کی امید کے ساتھ کیا جاتا ہے۔[9]"

اس لفظ کا ایک مفہوم معروف عالمی جریدےMuslim Christion and Islam Relationمیں کچھ اس طرح تحریر ہے

A conversation between two person who recognize each other as equal partners and engaged in conversation concentrating on theological truth that is the highest reality, the truth itself or God.[10]

مکالمہ بین المذاہب کی غرض وغایت یہی ہے کہ مذاہب کے درمیان گفت وشنید کے ذریعے آپس میں ہر طرح کی نفرتیں ختم کرکے آپس میں اتحاد بین المذاہب، احترام انسانیت، اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔

1974عیسوی میں ایک پادری اپنے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان Foundation for Dialogue Between Judaism, Christianity and Islamکے نام سے جمع کروایا جس میں مقالہ نگار نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مرکزی مقام کی حامل ہے، اور تینوں مذاہب میں انہیں نہایت اہمیت حاصل ہے، لہذا تینوں مذاہب مل کر ایک دوسرے کے مسائل کو افہام وتفہیم اور مکالمہ کے ذریعے حل کر سکتے ہیں۔

جوہن اسپوسٹو کہتے ہیں

---

[8] محمد مرتضٰی الزبیدی، تاج العروس جلد ۳ص ۱۶۲، دار الفکر بیروت ۲۰۰۵

[9] A .M Macdonald, chamber twentieth century dictionary Edin Burg : W& R Chambers, ltd 1978 (revised edition

[10] Islam and Christion- Muslim relation, center for Muslim- Christion understanding, Georgetown University Washington DC, volume 15 Issue no 01, p55

The (Modern Interfaith) dialogue movement began during the 1950s when the WCC (World Council of Churches) and the Vatican (city) organized a number of meeting between Christian leaders and represented of other religions traditions (especially, with the Muslim and Buddhist communities)[11]

قرآن کریم اور عہد نبوی ﷺ میں مکالمہ بین المذاہب کا تصور

اسلام ایک عالمی مذہب ہے کہ عقائد واحکام اور روایات واقدار کے حوالہ سے اس کی دعوت پہلے دن سے ہی کسی قوم، نسل یا علاقہ کے لیے نہیں بلکہ پوری نسل انسانی کے لیے ہے۔ جبکہ اسلام کے احکام وروایات کی عملداری طویل عرصہ تک انسانی معاشرے کے وسیع دائرے میں قائم رہی ہے جس کے ثمرات و فوائد کئی حوالوں سے آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں سمیٹے جارہے ہیں۔اور اسلام کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اگر انسانی سوسائٹی ایک بار پھر مذہب کے معاشرتی کردار کی ضرورت محسوس کرنے جارہی ہے تو مذہب کی اصل تعلیمات یعنی آسمانی وحی اور صاحب وحی پیغمبر کی تشریحات کا محفوظ ذخیرہ صرف اسلام کے پاس ہے۔ اور وہ محض کتابوں میں نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی دنیا کے ہر خطے میں اس کے مظاہر کھلی آنکھوں سے دیکھے جارہے ہیں۔ یہ حقیقت بھی آج کے زندہ مشاہدات کا حصہ ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات یعنی قرآن کریم اور سنت نبوی ؐ کو آج کی فکری، علمی اور نفسیاتی ضروریات کے تناظر میں پیش کرنے کا اہتمام کیا جاسکے تو کسی بھی انصاف پسند اور حقیقت شناس شخص کے لیے اسلام کی دعوت کو نظر انداز کردینا ممکن نہیں ہے۔ مگر اس کے لیے دعوت کا ماحول اور افہام و تفہیم کا لہجہ واسلوب لازمی شرط کی حیثیت رکھتے ہیں جو باہمی قتل وقتال اور دہشت گردی کی فضا میں ممکن نہیں ہے اور مختلف مذاہب کے راہ نماؤں اور پیروکاروں کے درمیان رابطہ ومفاہمت اور مکالمہ کا فروغ اس کا ناگزیر تقاضہ ہے۔ ہمارے خیال میں بین المذاہب مکالمہ کا فروغ جہاں اس لیے ضروری ہے کہ مذاہب کے درمیان کشیدگی، شدت پسندی اور محاذ آرائی کو کم کرکے انسانی سوسائٹی کو مذہب کے نام پر باہمی تصادم سے بچایا جائے قرآن کریم میں بھی مکالمہ بین المذاہب کا تصور موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ"[12]

اور تم لوگ اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کیا کرو مگر ہاں ایسے طریقے پر جو طریقے بہترین ہو یعنی شائستہ اور مہذب ۔

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ"[13]

اور (اے مسلمانوں!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے علمی اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے،

[11] (Johm L. Esposito (ed), the Oxford Encyclopedia of the Islamic word oxford university press, 2009, Page 182)

[12] - العنکبوت: 46

[13] -الانعام : 108

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ "[14]

(ان رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) سا لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "[15]

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں

عہد نبوی ﷺ میں مکالمہ بین المذاہب کا تصور:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے سب سے بلند درجہ اور مقام نبوت ورسالت کا ہے۔ جس طرح ملک میں کوئی وزیر اعلیٰ ہوتا ہے کوئی وزیر خارجہ ہوتا ہے کوئی وزیر داخلہ ہوتا ہے مگر ملکی اصطلاح میں سب سے بڑا عہدہ اور منصب صدارت کا ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ سے پیغام لیتا ہے اور مخلوق خدا کو پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کا یہ درجہ پیغمبروں کو عطا فرمایا اگر تبلیغ یعنی دعوت الی اللہ سے بہتر کوئی کام ہوتا تو عہدے کے مطابق اللہ تعالیٰ وہ ان کے سپرد کرتا لیکن حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول للہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ان کو دعوت الی اللہ کی ہی ڈیوٹی سونپی گئی۔ اس کے لیے انھوں نے طرح طرح کی تکالیف پر شکوہ کرنے کے بجائے صبر واستقامت سے کام لیا۔

آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ان تعلیمات کا مطالعہ کیجیے جو صحیح ترین سندوں کے ساتھ ہم تک پہونچی ہیں، اندازہ ہو گا کہ دشمنوں کے ساتھ عفوودرگزر، ہمدردی وغمخواری، اور حسن سلوک کی جو مثالیں پیش کی ہیں، معلوم دنیا کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتیں، نمونہ کے لیے چند واقعات اختصار کے ساتھ پیش کیے جارہے ہیں:

اللہ کے رسول... نے اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی کبھی انتقام کا معاملہ نہیں کیا۔

اہلِ مکہ نے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلمکے ساتھ جو ظلم اور زیادتیاں کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں متعدد مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، ایک مرتبہ تمام قبائل کے افراد آپ... کو قتل کرنے کے لیے گھر میں گھس آئے، بالآخر آپ کو اپنے محبوب شہر اور خانہ کعبہ کو الوداع کہنا پڑا؛ لیکن ۹ سال بعد جب اسی شہر مکہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ ہو گیا، اور سامنے وہی ظالم وجابر اب بھی موجود تھے جنہوں نے اسی شہر میں آپ... کو پورے خاندان سمیت شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں محصور کرکے مکمل بائیکاٹ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پوری توانائی صرف کر دی تھی، جب آپ... اسی شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے، لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد پرانے مظالم کا بدلہ لیں گے؛ لیکن ہادیٔ برحق نے ان کے توقع کے خلاف یہ اعلان کر دیا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ، اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ[16]

ترجمہ: آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہاری غلطی کو معاف کرے گا، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

---

[14] ۔ النحل : 44

[15] ۔یونس : 99

[16] ۔ ابن ہشام، ج:2ص:273

وحشی جو رسول اللہ کے عزیز ترین چچا کا قاتل، ہند زوجۂ ابوسفیان جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کرکے دل و جگر کو چبایا تھا، سب کو معاف کردیا[17]۔

ہمیں اسلامی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مکالمہ اور بات چیت کی نہ صرف یہ کہ اسلام کی طرف سے اس کی اجازت ہے، بلکہ پیغمبر اسلام ا کی سنت ہے۔ جناب نبی کریم اکو اپنے دور میں تین گروہوں سے واسطہ پڑا۔

۱۔ مشرکین اور کفار، ۲۔ یہود، ۳۔ نصاریٰ۔

پہلا اقدام ان معاہدات کا ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مقیم یہودیوں، غیر مسلموں اور اہل ایمان کے درمیان کرائے، جنہیں "میثاقِ مدینہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کی تحریریں اور دفعات جو سیرت نگاروں نے بے حد ریاضت و تحقیق سے جمع اور مرتب کردی ہیں، واضح کرتی ہیں کہ یہ بین القبائلی جامع ترین امن معاہدہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں مکہ سے بالکل مختلف صورتِ حال کا سامنا تھا، مکہ کے حالات تو یہ تھے کہ وہاں دشمن بھی ظاہر و متعین تھے، اور دوست بھی ظاہر و متعین تھے، وہاں نفاق کا گذر نہیں تھا، جب کہ مدینہ منورہ میں عرب کے دو قبیلوں اوس و خزرج (جن کے اکثر لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے) کے علاوہ یہودیوں کے تین مضبوط خاندان بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو نضیر آباد تھے، کاروبار یہودیوں کے قبضے میں تھا، صنعتیں ان کے ہاتھ میں تھیں، وہ سودی کاروبار کرتے تھے، چور بازاری، غذا کی مصنوعی قلت پیدا کرنا اور اوس و خزرج کو باہم لڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا، عربوں کا استحصال کرتے تھے، ان کو جنگ میں مبتلا کر دیتے تھے، انہیں ہتھیار سپلائی کرتے تھے جس کے بدلے ان کی دولت سمیٹ لیتے تھے۔

اوس و خزرج کے لوگوں نے اپنے ہی ایک سردار "عبد اللہ بن ابی بن سلول" کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کی تیاری کرلی، یہ واقعہ ہجرت نبوی سے پہلے کا ہے، مگر ابھی اس کی تاج پوشی کا موقع نہ آیا کہ اسلام کا نور مدینہ پہنچنے لگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو تمام اہل ایمان نے اپنا مقتدا اور امیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مان لیا، اس صورتِ حال نے عبد اللہ بن ابی کے دل میں بغض اور حسد کی نفسیات پیدا کردی، چند یہودیوں کو چھوڑ کر ان کی اکثریت نے بھی خاندانی حسد کی بنیاد پر (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ اسماعیل میں سے تھے اور یہودی اولادِ اسرائیل میں سے تھے) آپ ﷺ کے دین کو قبول نہ کیا، اور حسد و تعصب کی وجہ سے سازشیں شروع کردیں، اور انہیں سازشوں کے نتیجے میں منافقین کا ایک مارِ آستین گروہ پیدا ہوا، جو دل میں کفر رکھتا تھا، زبان سے اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اس گروہ کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا۔ اس صورتِ حال میں مدینہ منورہ میں امن وامان کا ماحول باقی رکھنے کے لئے بیرونی حملوں سے حفاظت اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے کے لئے اور ان سازشی دشمنوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سمیت تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا، اور ایک تحریری دستاویز تیار کرائی، سب کے دستخط لئے، یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں ماہ میں ہوا، اس دستاویز کا حاصل یہ تھا کہ ہم سب باہم امن کے ساتھ رہیں گے، ہر کوئی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا، کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم سب مل کر دفاع و مقابلہ کریں گے، ہم باہم نہیں لڑیں گے، کسی کی حق تلفی نہیں کریں گے، کسی فتنہ پرور کی مدد نہیں کریں گے، کسی معاملے میں اختلاف ہوگا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا [18]۔

---

[17] ۔ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ، بخاری کتاب الفضائل، ذکر ھند

[18] ۔ محمد عبد الملک ابن ھشام، سیرت ابن ہشام، مترجم مولانا قطب الدین احمد،: ۵۰۲/۱، اسلامی کتب خانہ

یہ معاہدات سیرتِ نبوی کا بہت اہم باب ہیں، اور یہیں سے پہلی اسلامی حکومت اور اسلام کے سیاسی نظام کا آغاز ہوتا ہے، ان معاہدات کی دفعات پڑھنے سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت وفراست وتدبر اور مذاکرات ومکالمات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہارت وحکمت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے فوراً ہی بعد یہود کے تین بڑے سازشی قبائل، انصار کے دو قبائل اَوس وخزرج اور مہاجرین سب کو ایک جامع دستوری معاہدے پر متفق فرمادیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے یہ تاریخ ساز میثاق دو حصوں میں تقسیم ہے پہلے حصے میں 23 اور دوسرے حصے میں 24 دفعات شامل ہیں پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات حقوق وفرائض کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات حقوق وفرائض اور اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے اس میثاق کی دفعات میں سے ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے یعنی مدینہ میں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی عدالتی اور قانونی آزادی کا اختیار دیا گیا تھا [19] ۔

عرب محقق اور مشہور سیرت نگار محمد حسین ہیکل اسی میثاق مدینہ کے بارے میں میں فرماتے ہیں:

یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی اموال کو تحفظ ملا اور امن کا گہوارہ بنا [20]۔

ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حبشہ سے نجاشی کی طرف سے ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ بہ نفس نفیس ان کی خاطر مدارات اور تواضع میں مصروف ہو گئے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے غلام ان کی خاطر مدارات کے لئے حاضر ہیں آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

انهم كانو لاصحابنا مكرمين واني احب ان اكافيئهم [21]

میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی اب میں چاہتا ہوں ان کی خاطر مدارت کر کے ان کو صلہ دوں ڈاکٹر حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

627ء میں پیغمبر اسلام ﷺ نے سینٹ کیتھرائین متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطا کیے اور وہ مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ عیسائیوں کے گرجاوں، راہبوں کے مکانوں اور زیارت گاہوں کو ان کے دشمنوں سے بچائیں، تمام مضر

---

[19] ۔حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ، ص 76

[20] ۔محمد حسین ہیکل، حیات محمد، ناشر لنهضة المصريہ ، ص 227

[21] ۔ علوی خالد، انسان کامل، الفیصل ناشران کتب لاہور ، ص 300

اور تکلیف رساں چیزوں سے پورے طور پر ان کی حفاظت کریں، ان پر بیجا ٹیکس نہ لگایا جائے، کسی کو اپنی حدود سے خارج نہ کیا جائے، کسی عیسائی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے، کسی راہب کو اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے، کسی زائر کو زیارت سے نہ روکا جائے، مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں[22]۔

صلح حدیبیہ:

سیرت نبی ﷺ اور مکالمہ بین المذاہب کے باب میں معاہدہ حدیبیہ کا ذکر نہایت اہم ہے تمام انبیاء علیہم السلام کو جو اخلاق و اوصاف عطا کئے گئے تھے وہ سب مجموعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے اور آپ ﷺ نے باوجود قوت واستطاعت اور قدرت واختیار کے عفو ودرگذر اور نرمی کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ تو کسی میں بھی نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ فرمارہے ہیں، کوئی حلق کرارہا ہے کوئی قصر کرارہا ہے، صبح کو صحابہ کرام سے تذکرہ فرماتے ہیں، چونکہ نبی کا خواب ہمیشہ سچ ہی ہوتا ہے تو صحابہ کرام بہت خوش ہوئے کہ اب وطن عزیز مکۃ المکرمہ چلیں گے، چونکہ کئی سال ہو گئے تھے، وطن کو چھوڑے ہوئے، اس لئے مزید اشتیاق بڑھ گیا اور چودہ سو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت عمرہ کیلئے تیار ہوئی مگر جب کفار مکہ کو پتہ چلا کہ اتنے سارے صحابہ کرام مکہ مکرمہ آرہے ہیں تو چونکہ یہ بہت بڑی جماعت تھی کیونکہ پورے مدینہ کی آبادی کل دس ہزار تھی جس میں تین ساڑھے تین ہزار تو عورتیں ہی ہوں گی اور اس میں بہت سے نابالغ بچے، کچھ مجبور اور معذورین بھی ہوں گے تو اس لحاظ سے چودہ سو کی جماعت بہت بڑی جماعت ہے اس لئے کفار مکہ نے ڈر کی وجہ سے یہ تہیہ کر لیا کہ ہم مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، اس لئے مکہ سے باہر حدیبیہ میں جہاں آپ علیہ السلام اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مقیم تھے قریش مکہ نے وہاں ایک ایلچی بھیجا، اس سے بات چیت ہوئی اور بالآخر مصالحت پر بات ختم ہوئی جب صلح نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا "یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور کفار مکہ کے درمیان ہے" تو اس ایلچی نے کہا کہ محمد رسول اللہ نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ لکھو، ہماری اور آپ کی لڑائی تو صرف اسی بنیاد پر ہے کہ آپ کو ہم رسول نہیں مانتے ہیں، اگر ہم رسول مان لیں تو لڑائی کہاں رہ جائے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو ہرگز نہیں مٹا سکتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ کوئی بات نہیں لاؤ میں ہی مٹا دیتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ہاتھ سے صلح نامہ لے کر اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا اور محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا، نبی برحق ہیں، خاتم النبیین ہیں لیکن فتنے کو دبانے کے لئے آپ علیہ السلام نے محمد رسول اللہ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔

آخر صلح کی شرائط طے پائیں جو ضبط تحریر میں آکر "معاہدہ حدیبیہ" کے نام سے موسوم ہوئیں۔ یہی وہ معاہدہ حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہئے۔ معاہدے کے چند نکات یہ تھے۔

1: فریقین نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران یہ لوگ امن سے رہیں۔

2: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان ومال کا امان ہوگا اور قریش کا جو شخص تجارت کیلئے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینہ سے گذرے تو اسے جان ومال کا امان حاصل ہوگا۔

[22] ۔ عبدالروف، مقالات سیرت نبوی، جلد دوم، ص577

:3 قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سپرد کردیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد نہیں کریں گے۔

:4 یہ کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرسکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرسکے گا۔(اس پر قبیلہ خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔

:5 مسلمان اس سال ہمارے پاس سے واپس چلے جائیں گے اور مکہ نہیں آئیں گے، البتہ آئندہ سال ہم باہر چلے جائیں گے اور مسلمان مکہ میں داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکیں گے اور ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہو گا یعنی تلوار میان میں پڑی ہو گی۔

صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات وپیغامات

(۱) اس صلح نے دس سال تک کے لئے مشرکین کو پابند کردیا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ آور ہوسکتے تھے، نہ کسی حملہ آور کی مدد کرسکتے تھے۔

(۲) اس صلح کے نتیجے میں مکہ کے اطراف میں آباد قبیلہ بنی خزاعہ نے مسلمانوں کی حلیفی کا اعلان کیا، جو آگے چل کر فتح مکہ کا باعث بنا، اس طرح دیگر قبائل سے تعلقات قائم کرنے کا حق تحریری طور پر تسلیم کیا گیا۔

(۳) قریش اور یہود میں تفریق پیدا ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل منشاء یہی تھی۔

(۴) قریش نے مسلمانوں کی مساوی حیثیت تسلیم کرلی، یہ بہت بڑی سیاسی فتح تھی، نیز قریش کی کعبہ پر اجارہ داری ختم ہوئی اور بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کرالیا گیا۔

(۵) پھر اس صلح نے آگے آنے والے ایام میں اسلام کی دعوت اور تحریک کی توسیع کے لئے پر امن راستہ اور بے خطر ماحول فراہم کیا، منافرت اور کشیدگی دور ہوئی تو قرب بڑھا، احساسِ رواداری پروان چڑھنے لگا، لوگوں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ بعثت نبوی سے اب تک اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان افراد میں حضرت خالد بن الولید بھی ہیں، جنہیں ''سیف اللہ'' کا لقب ملا، حضرت عمرو بن العاص بھی ہیں، حضرت حاتم بن عدی بھی ہیں، حضرت عثمان بن ابی طلحہ بھی ہیں، حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ۱۴۰۰ مسلمان تھے، اس کے صرف دو ہی سال بعد فتح مکہ میں مسلمان دس ہزار سے متجاوز تھے، اور اس کے دو سال بعد حجۃ الوداع میں یہ تعداد سوا لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اشاعت اسلام میں حدیبیہ کی صلح کا یہ وہ عظیم کردار ہے جو پوری امت مسلمہ کو دعوتی فرض کی ادائیگی کے لئے حساس وفکر مند ہونے کا پیغام دیتا ہے۔

آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار میں بھی ہمیں اسی طرح کی مثالیں ملتی ہیں جن کے فیصلوں سے مذہبی رواداری کو فروغ ملتا ہے

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے کفار کے مذہبی معاملات کے تعلق سے جو معاہدہ لکھا، اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

لَا يُهْدَمُ لَهُمْ بِيعَةٌ وَلَا كَنِيسَةٌ وَلَا قَصْرٌ مِنْ قُصُورِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَتَحَصَّنُونَ إِذَا نَزَلَ بِهِمْ عَدُوٌّ لَهُمْ وَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ ضَرْبِ النَّوَاقِيسِ وَلَا مِنْ إِخْرَاجِ الصُّلْبَانِ فِي عِيدِهِمْ[23]

[23] ۔ابو یوسف، کتاب الخراج ،الناشر: المکتبۃ الأزھریۃ للتراث ، ص 157

ان کے چرچ اور کنیسے منہدم نہیں کیے جائیں گے، اور نہ کوئی ایسی عمارت گرائی جائے گی جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے حملہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس اور گھنٹیاں بجانے کی ممانعت نہیں ہوگی، اور نہ تہواروں کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے،

حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے جو معاہدہ تحریر فرمایا، اس کے بعض اجزا اس طرح ہیں:

"یہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے اہلِ ایلیا کو دی، یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست و بیمار اور ان کے تمام اہلِ مذہب کے لیے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔[24]"

حضرت عثمانؓ نے ان تمام معاہدوں کو اسی طرح باقی رکھا جس طرح عہدِ رسالت، حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے عہد میں تھے۔ ایک مرتبہ غیر مسلموں کی شکایت پر آپؓ نے اپنے گورنر ولید بن عتبہؓ کو ایک تادیبی خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

"عراق میں مقیم نجران کے باشندوں کے سردار نے آکر میرے پاس شکایت کی ہے اور مجھے وہ شرط دکھائی ہے جو عمرؓ نے ان کے ساتھ طے کی تھی، میں نے ان کے جزیہ میں سے تیس جوڑوں کی تخفیف کر دی ہے، انھیں میں نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی راہ میں بخش دیا ہے، اور وہ ساری زمین دے دی جو عمرؓ نے انھیں یمنی زمین کے عوض صدقہ کی تھی، اب تم ان کے ساتھ بھلائی کرو؛ کیوں کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں ذمہ حاصل ہے، عمرؓ نے ان کے لیے جو صحیفہ تیار کیا تھا، اسے غور سے دیکھ لو، اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ پورا کرو"![25]

کچھ غیر مسلموں نے حضرت علیؓ سے ان کے گورنر عمرو بن مسلمہؓ کی سخت مزاجی کی شکایت کی تو حضرت علیؓ نے گورنر کو لکھا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے غیر مسلموں کو تمہاری سخت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، نرمی اور سختی دونوں سے کام لو؛ لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے....ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو!"

فلاحی ریاست میں مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت واہمیت:

مذاہب کے درمیان مفاہمت اور مکالمہ کی بات ایک عرصہ سے دنیا بھر میں چل رہی ہے اور اس کی ضرورت واہمیت پر مختلف مذاہب اور ریاست کے ماہر مفکرین اس حوالے سے اظہار خیال کر رہے ہیں۔

مکالمہ کا وجود انسان کے وجود کے ساتھ ہی جڑ گیا تھا تاہم بطور ادب واصطلاح (Dialogue) کا لفظ کی ابتداء پانچویں صدی قبل مسیح سے ہوا عام طور پر اس حوالہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان رواداری، مفاہمت اور مکالمہ وگفت گو کی فضا کو فروغ دینا ہر دور میں ضروری رہا ہے، مگر اب جب کہ فاصلوں

---

[24] ۔ علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، ج:2، ص:137

[25] ۔ کتاب الخراج، اردو ترجمہ::276

کے مسلسل سمٹتے چلے جانے کے بعد دُنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر رہی ہے اس کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ رہی ہے، تاکہ مختلف مذاہب اور عقائد و نظریات کے لوگ مل جل کر ایک سوسائٹی میں رہ سکیں اور مذہب کے حوالہ سے جو اختلافات ہیں وہ کش مکش اور تصادم کی صورت اختیار نہ کریں۔

ایک فلاحی ریاست میں مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت واہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کیوں کہ ایک ریاست کی فلاح و بہبود، کامیابی و ترقی اسی وقت ممکن ہے جب ریاست میں موجود تمام مذاہب اور مختلف رنگ و نسل کے لوگ آپس میں باہمی اتحاد واتفاق کے ساتھ میل جول رکھنے کو ممکن بنا سکیں۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کا جو تصور پیش کیا اس میں بھی مکالمہ بین المذاہب کو نہایت اہمیت حاصل تھی، سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب و اقوام کے درمیان تصادم سے بچاو کے لئے مکالمہ بین المذاہب کو ہی بطور ہتھیار استعمال کیا ہے اور ریاست مدینہ میں آپ نے دیگر اقوام و مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ حسن سلوک اور بین المذاہب رواداری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان کشیدگی اور تنازعات کے شدت پسندانہ اظہار کو بھی اس ضرورت کی ایک وجہ قرار دیا جارہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تصادم، محاذ آرائی اور قتل و قتال کا جو سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، اس کا تسلسل آج بھی موجود ہے اور عنوان تبدیل ہونے کے باوجود وہ مذہبی شدت پسندی اور انتہا پسندی بدستور انسانی معاشرے میں موجود ہے۔

مکالمہ بین المذاہب اور عصر حاضر کے تقاضے

اسلام ان مصنوعی مذاہب یا خیالی فلسفۂ حیات میں سے نہیں ہے جو سوشل ورک، سماجی خدمات اور دوسروں کے ساتھ تعاون وہمدردی کے رویہ کو محض قابل توصیف اور لائق ستائش سمجھتے ہیں؛ بلکہ اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے ہی ایک فلاحی دین ہے، اس کا خمیر ہی خلق خدا کی خدمت اور اس کی فلاح و بہبود سے اٹھا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنی ہی نہیں؛ بلکہ دوسروں کی بھی فکر کریں، اور یہ فکر صرف مادی آسودگی تک محدود نہیں ہونی چاہیے؛ بلکہ روحانی تشنگی کا ازالہ بھی اس میں شامل ہو اور اس تصور خیر میں اس نے صرف فانی دنیا ہی نہیں؛ بلکہ لافانی آخرت کو بھی شامل رکھا ہے؛ اس لیے خود پیغمبر اسلام کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری توانائی، تمام تر صلاحیتیں اور انتھک جدوجہد اس راستہ میں صرف ہوتی تھیں کہ کس طرح بچھڑی ہوئی مخلوق کو اس کے خالق سے ملادیں؛ تاکہ اس کا نصیب جہنم کے دہکتے شعلے نہیں؛ بلکہ جنت کے جانفزا جھونکے بن جائیں۔

خلاصہ:

عصر حاضر میں Inter Faith Dialogue یعنی ''مکالمہ بین المذاہب'' کافی اہمیت کا حامل موضوع ہے، عالمی دنیا کی نظر میں یہ صرف ایک موضوع ہی نہیں بلکہ ایک چیلنج بھی ہے، اور اس چیلنج کو پورا کرنے کے لئے دنیا بھر کے اکثر ممالک میں مکالمہ بین المذاہب کانفرنسز و سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ لفظ ''مکالمہ'' جس کے لیے انگریزی لغت میں لفظ Dialogue استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں'' دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان کوئی خاص یا تخیلاتی قسم کی گفتگو ہوتی ہے جس میں باہمی تبادلہ خیال کسی نتیجے پر پہنچنے کی امید کے ساتھ کیا جاتا ہے''۔ جیسا کہ اس دنیا میں انسان کی رشد وہدایت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث ہوئے اس بناء پر دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں صرف ایک مذہب کے ماننے والے موجود ہوں، کہیں کوئی مذہب اکثریتی شمار کیا جاتا ہے اور وہی مذہب کسی اور جگہ اقلیتی شمار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کے دستور میں اقلیتوں کے حقوق کا ایک الگ باب قائم ہوتا ہے۔ اگر ہم آج کے مختلف معاشروں کی بگڑتی نظم وضبط پر غور کریں تو بے شمار ایسے مسائل موجود ہیں جن میں اصلاح کی بروقت ضرورت ہے اور ان مسائل میں ایک بین المذاہب

تصادم اور مذاہب کے درمیان عدم برداشت کی لہر بھی ہے جو آج دنیا کے معاشرتی نظام کو نہ صرف بری طرح متاثر کر رہی بلکہ معاشرے جنگ وجدل کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک بین المذاہب تصادم اور دوسرا بین المذاہب رواداری کا۔ تصادم کے راستے پر گامزن ہوتے تو اس سے امن اور انسانیت جس طرح تباہ ہوگی اس میں نقصان ایک قوم کا نہیں بلکہ اقوام کا ہوگا، ملک کا نہیں بلکہ ممالک کا ہوگا، اور دوسرا راستہ ہے مفاہمت اور Dialogue کا ہے۔ اصلاح معاشرے اور صحتمند معاشرے کا متمنی شخص ایسے اوقات میں تصادم کے بجائے مفاہمت اور ڈائیلاگ پر یقین رکھتا ہے، بات چیت ہوگی، مکالمہ ہوگا، کیوں کہ بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے نبی اکرم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں ریاست مدینہ میں آپ ﷺ نے مذاہب کے درمیان جس طرح امن کو فروغ دیا اس میں مکالمہ بین المذاہب کو نہایت اہمیت حاصل ہے، جیسا کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین مکہ سے آپ کا واسطہ پڑا اور مسلمانوں کو اپنے عملی مسائل کے لئے ان سے بہت سی چیزوں میں واسطہ اور سابقہ پڑا۔ تو جناب نبی کریم ﷺ نے نہ صرف مشرکین مکہ سے بات چیت ک، مکالمہ کیا، اور بہت سے معاہدے بھی کئے ایک معاہدہ جو صلح حدیبیہ کے نام سے تاریخ کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے، مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں آکر حضور ﷺ کو مدینے کی آبادیوں میں وہاں کے شہریوں میں یہودیوں سے واسطہ پڑا، بنو نضی، بنو قریظہ اور بنو قینقاع یہ یہودیوں کے مشہور قبیلے یہاں آباد تھے حضور ﷺ نے ان سے بات چیت اور مکالمہ ہی نہیں، بلکہ معاہدہ بھی کیا، جو ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اور پھر حضور علیہ السلام کو اپنی حیات طیبہ میں نجران کے عیسائیوں سے بھی گفت وشنید کرنے کا موقع ملا، ان سے بھی مکالمہ ہوا، نجران اس زمانے میں یمن کا ایک شہر تھا اور موجودہ جغرافیے میں یہ سعودی عرب کا ایک شہر ہے، نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا اور حضور علیہ السلام نے ان سے بھی بات چیت کی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے دور میں مشرکین، یہودیوں اور عیسائیوں سے جو بات چیت اور مکالمے اور معاہدات کئے، یہ تمام چیزیں ہمیں بتاتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مذاہب کے درمیان امن و برداشت اور رواداری کو فروغ دینے کے مکالمہ بین المذاہب کا ہی سہارہ لیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اصلاح معاشرے کے لئے مکالمہ بین المذاہب ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے مذاہب کے درمیان محبت امن وآشتی کو فروغ ملتا ہے اور ایک صحتمند معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ عصر حاضر میں امن ہر ایک کی ضرورت ہے، جہاں مشرق کی ضرورت ہے وہاں مغرب کی بھی ہے اور جہاں مسلمانوں کی ہے، اتنی ہی ضرورت عیسائیوں اور یہودیوں کی بھی ضرورت ہے، اس بناء پر مکالمہ، باہمی ڈائیلاگ، افہام و تفہیم بات چیت اور گفت وشنید کی اہمیت، ضرورت اور اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عصر حاضر تقاضوں میں آج ریاستوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مذاہب کے درمیان آنے والی حائل رکاوٹوں اور فتنوں پر نظر رکھے ان کی نشاندہی کرے اور ان کا قلع قمع کرے۔

CC BY NC SA This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)